سبق : 2

تعلیم القرآن

آن لائن اکیڈمی

(سورۃ ھود ،آیت 9 تا 24)

وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ⑨

اور یقیناً اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھائیں، پھر اس سے وہ چھین لیں تو یقیناً وہ مایوس ہو کر ناشکری کرنے لگتا ہے ⑨

آیت 9 وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً . . . : اللہ تعالیٰ انسانوں میں پائی جانے والی کمزوریوں کے متعلق بیان کر رہے ہیں۔ فطری طور پر انسان جلد باز ہے۔ اسے فوری نتیجہ نہ ملے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اسی چیز کا ذکر کرتے ہوئے رب تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر ہم انسان کو کوئی بھلائی اور کامیابی دیں اور پھر اس سے یہ نعمت چھین لیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العالمین کا اپنا ایک نظام ہے۔ وہ انسانوں کو نعمتیں عطا کرتا ہے اور واپس بھی لے لیتا ہے۔ انسان کو کوئی بھلائی یا کامیابی مل جائے، صحت اچھی ہو اور اچانک بیماری آ جائے، کسی کا کاروبار بہت اچھا ہو، دولت کی ریل پیل ہو اور عیش و نشاط کی زندگی بسر ہو رہی ہو اور کاروبار میں نقصان ہو جائے تو یہ ساری چیزیں خالقِ کائنات کی طرف سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ساتھ اپنے بندوں کو آزماتا ہے لیکن جس شخص پر ایمان کی گرفت نہیں ہے اور

وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۙ﴿۱۰﴾

اور بے شک اگر ہم اس کو تکلیف کے بعد نعمت کا مزہ چکھائیں تو وہ یقیناً کہتا ہے کہ سب تکلیفیں مجھ سے دور ہوگئی ہیں۔ بے شک وہ یقیناً بڑا تکبر کرنے والا، بڑا فخر کرنے والا ہے ⑩

وہ صرف اپنی طبیعت ہی کے تابع چل رہا ہے تو وہ کسی کامیابی کے بعد ناکامی، صحت کے بعد بیماری اور کاروبار میں نقصان پر "اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ" پہلی ساری نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس نے اتنا لمبا عرصہ آرام کیا، اس کی صحت بہت اچھی رہی، وہ بہت دولت کماتا رہا اور شان دار زندگی بسر کی لیکن اب جبکہ تھوڑی سی آزمائش آئی ہے تو وہ واویلا کر رہا ہے اور مایوسیوں سے دوچار ہو رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے شخص کی امید اپنے رب پر باقی نہیں رہتی۔ وہ سمجھتا ہے کہ شاید یہ بیماری اب اسی طرح رہنی ہے اور حالات کبھی بہتر ہی نہیں ہونے، ایسی سوچ رکھنا قطعاً درست نہیں ہے۔ بندے کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھلا کر ناشکرا نہیں ہونا چاہیے۔ اس پر کبھی کوئی بیماری آجائے تو صحت کی دعا کرے اور صحت ملنے پر اپنے رب کا شکر ادا کرے۔ شکر کرنے والا ہمیشہ بیماری پر صبر کرے گا۔ جو شکر نہیں کر سکتا وہ صبر بھی نہیں کر سکتا۔ شکر اور صبر دونوں ایسی چیزیں ہیں کہ جو انسان کے اندر توازن رکھتی ہیں اور وہ ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہتا ہے۔

آیت 10 ﴿وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ . . .﴾: اللہ رب العالمین فرماتے ہیں کہ اگر ہم کسی تکلیف کے بعد بندے کو نعمت پہنچائیں، مثلاً کسی کو بیماری کے بعد صحت مل جائے، کاروبار میں خسارہ دور ہو یا فصل بہتر ہو جائے تو ایسی صورتِ حال میں بندہ کہتا ہے کہ اب تو سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے، پریشانیاں دور اور تکلیفیں ختم ہوگئی ہیں۔ ایسی صورت میں چاہیے تو یہ کہ بندہ اپنے رب کا شکر ادا کرے لیکن وہ شکر کرنے کی بجائے فخر کرنے لگتا ہے اور کامیابیوں کو اپنی صلاحیتوں کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ فلاں کام بھی میں نے کیا ہے اور فلاں کام بھی میری محنت کا نتیجہ ہے۔ یعنی وہ خالقِ کائنات کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں کو اپنے رب کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ تکبر کرتا اور اپنی بڑائی بیان کرنے لگتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ چیز نہیں ہوتی کہ نعمتیں بھی اللہ کی طرف سے ملتی ہیں اور تکلیفیں بھی اسی کی طرف سے آتی ہیں اور یہ کہ ان چیزوں میں اس کا امتحان ہے۔ یہ عام انسانوں کی کمزوری بیان ہو رہی ہے کہ اگر اسے تکلیف کے بعد نعمت اور راحت ملتی ہے تو وہ "لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ" بہت زیادہ اترانے لگتا ہے۔ وہ اللہ رب العزت کی بڑائی بیان کرنے کی بجائے اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور خوشی سے پھولے نہیں سماتا، حالاں کہ یہ سب کچھ اسی ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ بیماری، صحت اور نفع و نقصان میں بندوں کی آزمائش ہے۔ جس شخص پر دین کی گرفت نہیں اور وہ ایمان کی نعمت سے مالا مال نہیں ہے، اسے راحت کے بعد تکلیف کا سامنا ہو تو وہ سب نعمتوں کا انکار

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪

مگر وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے ⑪

کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھ پر تو کبھی کوئی اچھا وقت آیا ہی نہیں تھا۔ اللہ رب العالمین نے انسانوں کی اصلاح کے لیے یہ ساری چیزیں بیان کی ہیں تا کہ وہ اللہ کا شکر بجالائیں اور اس کی بارگاہ میں جھک جائیں۔

آیت 11 ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ . . . . : تکلیفوں پر صبر اور نعمتوں پر شکر ادا کرنا رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ ساری چیزیں اللہ کا دین سکھاتا ہے۔ جو لوگ صبر و شکر اور نیک اعمال کرنے والے ہیں، نعمتیں ملنے پر رب تعالیٰ کی تعریف و تمجید کے کلمات کثرت سے بیان کرتے ہیں اور ہر کامیابی کو خالقِ کائنات کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے گا، جنت کی صورت میں انھیں اجرِ عظیم عطا کیا جائے گا اور دنیا میں ان کی برائیوں و گناہوں کو ختم کر دیا جائے گا۔ غلطی ایمان والوں سے بھی ہوتی ہے لیکن اس غلطی کی وجہ سے ان کا رویہ تبدیل نہیں ہوتا۔ وہ سیدھی راہ سے پیچھے نہیں ہٹتے۔ دین کی گرفت انھیں بالکل سیدھا چلاتی ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ انسان کی فطری کمزوریوں کی اصلاح اللہ رب العالمین کا دین کرتا ہے۔ وہ بندے کو نافرمانیوں میں مبتلا اور مایوس نہیں ہونے دیتا۔ دینِ اسلام اور اللہ کی طرف سے ہدایت وہ عظیم نعمت ہے کہ اس سے انسان کی فطری کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں اور وہ دنیا میں صحیح زندگی بسر کرنے لگتا ہے جبکہ اس کے برعکس جس شخص پر اسلام کی گرفت نہیں ہے وہ ٹھوکریں کھاتا اور ناکام ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کے پاس دولت آئے گی تو وہ تکبر کرتے ہوئے اس کا اتنا غلط استعمال کرے گا کہ دنیا تنگ پڑ جائے گی۔ ایسے ہی اس پر تکلیف آئے گی تو وہ صبر نہیں کرے گا اور مایوسی کا رویہ اختیار کرے گا۔

دنیا میں بسنے والی بعض قومیں اور ملک ایسے ہیں جو اسلام کی نعمت سے محروم ہیں، ان کے پاس وسائل بہت زیادہ ہیں لیکن بہت سارا ظلم بھی انھی کی طرف سے ہے۔ پوری دنیا انھی نام نہاد سپر پاورز کی وجہ سے مصائب و مشکلات سے دوچار ہے۔ یہ ملک سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس بے پناہ وسائل، جدید ٹیکنالوجی اور مضبوط حکومتیں ہیں اس لیے وہ اپنی بڑائی کو ثابت کرنے کے لیے مختلف حربے اختیار کرتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی دم مارتا ہے تو وہ فوراً اسے ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ فرعونی ذہنیت ہے جو اس وقت بھی دنیا میں موجود ہے۔ ایک طرف طاقت کا یہ خمار ہے تو دوسری طرف جو لوگ وسائل سے محروم ہیں وہ کمزور اور مایوس ہیں کہ ہم تو کچھ کر ہی نہیں سکتے اور نہ ہی ہم ترقی کر کے اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اس کمزوری کا سبب یہ ہے کہ اللہ کا دین صحیح طرح موجود نہیں ہے۔ اگر رب تعالیٰ کے دین کی گرفت مضبوط ہو تو پھر ہمیشہ صبر اور شکر کے رویے ہوتے ہیں۔ صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

(اے نبی!) شاید کہ آپ کچھ حصہ چھوڑنے والے ہوں جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور شاید کہ آپ کا سینہ تنگی محسوس

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ)) [صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب المؤمن أمره كله خير : ٢٩٩٩] ''مومن کا معاملہ عجیب ہے۔ اس کا ہر معاملہ اس کے لیے بھلائی کا ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی اور کو میسر نہیں۔ اسے خوشی اور خوش حالی ملے تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے اچھا ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچے تو (اللہ کی رضا کے لیے) صبر کرتا ہے، یہ (بھی) اس کے لیے بھلائی ہوتی ہے۔'' افراد کی اصلاح بھی دین کرتا ہے اور ملکوں و معاشروں کی اصلاح بھی مجموعی طور پر دینِ اسلام ہی سے ہوتی ہے۔

آیت 12 ﴿ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى . . . . : اس آیت میں رب تعالیٰ اپنے نبی سے مخاطب ہیں کہ ہم نے آپ کو مکمل دین دیا ہے، آسمانوں سے وحی کی شکل میں ہدایت آ رہی ہے، اس میں توحید کی دعوت ہے کہ بندہ اپنی پوری زندگی خالقِ کائنات کے حکم کے تابع رہ کر گزارے اور حلال و حرام اور اوامر و نواہی کو دل سے قبول کر کے زندگی بسر کرے، لیکن لوگ اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے اس پر اعتراضات اٹھاتے ہیں۔ وہ مطالبات کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ ﴾ اس کے پاس کوئی خزانہ ہونا چاہیے تھا۔ جو کوئی اس کے پاس آتا اسے مال و دولت سے نوازا جاتا، لوگ اس سے بہت کچھ حاصل کرتے اور پھر کہتے کہ یہ سچا رسول ہے اور دنیا میں اللہ کا نمائندہ ہے۔ یعنی نبی ﷺ کے پاس کوئی خزانہ ہوتا تو ہم ان کی بات کو تسلیم کرتے۔ اسی طرح وہ کہتے تھے کہ کوئی فرشتہ ان کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ آپ (ﷺ) دعوت دیتے تو یہ فرشتہ ان کی تائید کرتا کہ لوگو! یہ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں فرشتے کے طور پر گواہی دیتا ہوں کہ ان پر وحی آ رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک اصول بیان کیا ہے کہ اے نبی! آپ قرآن کی صورت میں نازل ہونے والی وحی کے پابند ہیں۔ جو ذمہ داری آپ کو سونپی گئی ہے اس دعوت کو آپ نے پوری طرح پہنچانا ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کسی چیز پر لوگ اعتراض کریں تو آپ سوچیں کہ میں فلاں مسئلے کو بیان نہیں کرتا اور توحید کی دعوت کچھ دیر کے لیے روک لیتا ہوں تاکہ لوگ مخالف نہ ہوں، اعتراضات نہ اٹھائیں اور مقابلے میں نہ آئیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ آپ نے ایسے نہیں کرنا اور مسائل کو چھپانے کی بجائے صحیح طریقے سے دین کی دعوت پہنچانی ہے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ انکار کرنے والوں کی باتوں سے پریشان نہ ہوں اور اپنے سینے میں بالکل بھی تنگی محسوس نہ کریں۔ انھوں نے یہ باتیں کرتے ہی رہنا ہے، آپ اپنی دعوت کو بھرپور انداز میں جاری رکھیں۔

عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ ﴿۱۲﴾

کرنے والا ہے اس بات سے کہ وہ کہیں گے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہ نازل کیا گیا، یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ یقیناً آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے ﴿۱۲﴾

اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ: آپ صاف کہہ دیجیے کہ میں تو ڈرانے والا اور سیدھی راہ دکھانے والا ہوں۔ رب تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعے سب کچھ بتا دیا ہے، اب میں وہی چیزیں تمھیں سمجھانے والا ہوں۔ آپ نے دین کی دعوت پیش کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی اور عقیدۂ توحید اور دین کی دعوت کو ڈنکے کی چوٹ پر بیان کرنا ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کے وارث علمائے کرام کے لیے بھی بہت بڑی دعوت ہے کہ وہ دین کو اچھی طرح سمجھ کر دنیا کے سامنے مدلل انداز میں اس کی دعوت پیش کریں۔ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ [النحل: ۱۲۵] ''(اے نبی!) آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دیجیے۔'' دعوت میں حکمت کا اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔ انسان حالات کو دیکھے اور سمجھے لیکن جہاں حق بیان کرنا ہے وہیں حکمت بھی اختیار کرنی ہے، البتہ یہ نہ ہو کہ کسی چیز کو حکمت قرار دے کر آپ دین کو پیچھے کر دیں۔ یہ حکمت نہیں غلطی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی طرف بات کو منسوب کر کے پوری امت کو سمجھا رہے ہیں۔ مقصد امتِ محمد ﷺ کو اس منہج اور مشن پر کاربند کرنا ہے، کیوں کہ پہلے جو کام اللہ کے نبی کرتے تھے وہ اب امتِ محمد ﷺ کے ذمے ہے۔ علمائے کرام کے لیے خاص طور پر یہ بات ضروری ہے کہ وہ لوگوں کی ناراضی کے ڈر سے دینِ حق کو نہ چھپائیں۔ دین اسلام کی حقانیت کو پوری دنیا کے سامنے واضح کرنا ان پر لازم ہے۔ اسلام میں فریضۂ جہاد بنیادی اہمیت رکھتا ہے لیکن آج کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سارے علماء اس کے بارے میں بات کرنے سے بھی قاصر دکھائی دیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں ایسا کرنے سے ان کے لیے مشکلات بڑھ سکتی ہیں۔ کافر قوتیں اس وقت جہاد کے خلاف دہشت گردی کا شدید پروپیگنڈا کرتی ہیں اور مسلمانوں کو شدت پسند بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمارے ہاں بعض لوگ اس دعوت کو چھپانے لگ گئے ہیں۔ وہ اس بارے میں بات کرتے ہوئے بھی ہچکچاتے ہیں۔ یہ رویہ درست نہیں ہے۔ جہاد ظلم یا دہشت گردی نہیں ہے۔ دین کی دعوت کو صحیح معنوں میں دلائل اور حقائق کے ساتھ ثابت کرنا علماء کی ذمہ داری ہے۔ جس طرح اللہ کے رسول ﷺ ایک مشن پر تھے اسی طرح امت کے علماء اور وارثانِ نبوت بھی اسی مشن پر ہیں۔ انھیں اپنی ذمہ داری کو بخوبی ادا کرنا چاہیے۔

وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ: ''اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔'' آپ کسی مسئلے کو نہ چھپائیں، اگر آپ کو مصائب میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے کہ حکومتیں مخالف ہو جائیں گی، بین الاقوامی سطح پر پابندیاں لگ جائیں گی یا کوئی اور مشکل آ جائے

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ‌ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۳﴾

یا یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس (نبی) نے اسے گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں بنالاؤ اور اللہ کے سوا بلا لو جن کو بلا سکتے ہو، اگر تم سچے ہو ﴿13﴾

گی تو اللہ تعالیٰ نگران اور محافظ ہے۔ وہ اپنے بندوں کی مدد کرنے والا ہے۔ جب آپ اپنے رب کے لیے یہ سارے کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی آپ کی مدد کرے گا اور آپ کو کسی صورت تنہا نہیں چھوڑے گا۔

آیت 13 ﴿ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ‌ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ : مشرکینِ مکہ مختلف قسم کے اعتراضات کرتے تھے۔ وہ کبھی مطالبہ کرتے تھے کہ اس (نبی) کے پاس خزانہ ہونا چاہیے، اسے باغات کا مالک ہونا چاہیے، یہ آسمانوں پر چڑھ کر کوئی کتاب ہمیں لا کر دکھائے یا کوئی فرشتہ اس کے ساتھ چلے جو اس کی باتوں کی گواہی دے۔ گویا وہ انکار کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں کرتے اور کہتے تھے کہ یہ خود اپنی طرف سے قرآن کی آیات بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور آسمانوں سے فرشتہ مجھ پر وحی لے کر آتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ سارا جھوٹ ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

عربوں کو اس دور میں بہت فصیح اللسان سمجھا جاتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی! اگر یہ مشرکین اعتراض کرتے ہیں تو آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تمھارے اندر بھی زبان کے بڑے ماہر، ادیب، خطیب اور شعراء موجود ہیں، لہٰذا اگر تمھیں کسی قسم کا کوئی شبہ ہے کہ نبی ﷺ قرآن اپنی طرف سے بنا لیتے ہیں تو تم بھی ایسی دس سورتیں بنا کر دکھا دو۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر متعدد مرتبہ یہ چیلنج کیا گیا ہے، کہیں پورے قرآن کی مثل لانے، کہیں دس سورتوں اور کہیں ایک سورت کی مثل لانے کی بات کی گئی ہے۔ اسی طرح ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تمام انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے، خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔ [بني إسرائيل : ۸۸] یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ نبی دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں ہوتا۔ اپنی صلاحیتیں اجاگر کرنے کے لیے پڑھنے لکھنے جیسی ساری چیزیں عام لوگوں کے لیے ہیں، نبی کا استاد صرف اللہ ہوتا ہے۔

وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ . . . : ”اور اللہ کے سوا بلا لو جن کو بلا سکتے ہو، اگر تم سچے ہو۔“ یعنی اس کے مقابلے میں کلام بنا کر دکھا دو۔ اگر تم ایسا کر سکو تو اس کا مطلب ہے کہ تمھارے اعتراضات صحیح ہیں لیکن اہلِ عرب قرآن مجید کی دس سورتیں تو کیا ایک سورت بھی بنا کر پیش نہ کر سکے۔ یہ قرآن مجید کے کلام اللہ اور اس کے حق ہونے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا

جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت پسند کرتا ہو تو ہم ایسے لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں دے دیتے ہیں اور

اور اگر نہیں مانتے تو پھر چیلنج قبول کرو۔ یہ وہ ٹھوس اور قوت والی دلیل ہے جس کے سامنے سارے بے بس ہو جاتے ہیں۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے۔ محمد ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جس کا مقابلہ اس کے نزول سے لے کر آج تک کوئی نہیں کر سکا اور قیامت تک کوئی نہیں کر سکے گا۔ یہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ مسلمان جب صحیح معنوں میں توحید کا پیغام عام کریں گے اور دنیا تک دین کی دعوت پہنچانے کی کوشش کریں گے تو اللہ کی تائید اور مدد ان کے ساتھ ہو گی اور اسلام غالب آ کر رہے گا۔

آیت 16،15 ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا: قرآن مجید میں یہ چھوٹے چھوٹے خطبے ہیں جن میں وہاں کے لوگوں کے مسائل اور اعتراضات کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حوصلہ دے رہے ہیں اور ایک ایک دو دو آیات میں موضوع بیان کر کے مجموعی طور پر ہدایت کی حقانیت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ مقصد مقابلے میں آنے والوں کی کمزوریاں واضح کرنا ہے۔ اللہ رب العالمین نے یہاں یہ بات سمجھائی ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو صرف دنیا چاہتے ہیں، وہ دین کو بھی دنیا مانگنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ کرتے تھے، اس لیے انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ [تفسیر ابن أبي حاتم: ٦/ ٢٠١٠، ح: ١٠٧٣٦] نبی اکرم ﷺ ان لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے وحی ہے اور میں تمھیں ڈرانے اور سمجھانے والا ہوں لیکن وہ کہتے تھے کہ ہمیں تو خزانہ چاہیے، تمھارے پاس باغات اور بڑے بڑے محلات ہونے چاہییں تاکہ ہمیں دنیا کا فائدہ حاصل ہو۔ قرآن نے ان لوگوں کے اعتراضات اور شبہات کا سب سے بڑا سبب یہ بیان کیا ہے کہ انھیں دنیا کی بھوک ہے۔ دنیوی مفادات کے پیچھے چلنے والے لوگ دین کی حقانیت قبول نہیں کر سکتے۔ ان لوگوں کی سوچ وفکر غلط ہے اور ان کے پیشِ نظر آخرت بالکل نہیں ہے۔ جب عقیدہ درست نہ ہو تو پھر ان چیزوں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

وَ زِيْنَتَهَا: اس سے دنیا کی زیب وزینت، یعنی مال، اولاد، بیویاں، کھیتی، چوپائے اور گھوڑے وغیرہ مراد ہیں۔ اس کی وضاحت خود قرآن نے کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [آل عمران: ١٤] ”لوگوں کے لیے مزین کر دی گئیں نفسانی خواہشات کی محبت کی چیزیں، جو عورتیں اور بیٹے اور سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی ہیں۔ یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔“ اللہ رب العزت نے یہاں یہ اصول بیان کیا ہے کہ بعض لوگ دنیا کی زیب وزینت، مال و دولت اور کامیابی چاہتے ہیں۔ ان کا مطمحِ نظر صرف

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

پس اگر وہ تمھارا چیلنج قبول نہ کریں تو جان لو کہ بے شک یہ (قرآن) اللہ کے علم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، پس کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟ ﴿۱۴﴾

کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

آیت 14 ﴿فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ . . .﴾: اللہ رب العالمین اپنے نبی سے کہہ رہے ہیں کہ آپ مشرکینِ مکہ کے سامنے یہ چیلنج پیش کریں کہ اگر تم اپنا دعویٰ سچا ثابت کرنا چاہتے ہو تو تم بھی اس قرآن کی دس سورتوں کے مقابلے میں دس سورتیں بنا کر دکھاؤ اور اگر تم اس چیلنج کو قبول نہ کرسکو تو پھر تمھیں حق کی دعوت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کے مقابلے میں کسی نے اپنی طرف سے کلام بنانے کی کوشش کی تو ان کے اپنے لوگوں نے ہی کہہ دیا کہ اس کا قرآن سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ فرمایا: ﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ﴾ ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر مشرکین تمھارا مقابلے کا چیلنج قبول نہیں کرتے تو تم اپنے ایمان کو مضبوط کرو، اس قرآن اور دین سے اپنی وابستگی کو پختہ کرو اور جان لو کہ سارا قرآن اللہ کی طرف سے ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ یا جبریلِ امین کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ جبریل علیہ السلام صرف اس وحی کو لانے والے اور نبی کریم ﷺ اسے آگے پہنچانے والے ہیں۔

وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ . . .: اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو ان کا مشن سمجھا رہے ہیں کہ تم نے اس قرآن اور ہدایت کی روشنی میں توحید کی دعوت کو دنیا میں قائم کرنا ہے۔ اللہ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت کو بیان کرنا ہے۔ قرآن اسی لیے نازل ہوا ہے کہ یہ حقائق سمجھاتا ہے۔ فرمایا: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ کیا تم پختہ مسلمان ہو، تم فرماں برداری اختیار کرتے ہو اور تمھارے عقیدے میں کوئی کمزوری تو نہیں آئے گی؟ اگر تم اللہ کی توحید قائم کرنے کے مشن پر مضبوطی سے کاربند رہو گے اور اس حوالے سے تمھارے دلوں میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو گا تو ایمان کی یہ مضبوطی تمھیں منزلوں پر پہنچا دے گی۔

ایک تو اس کی یہ تفسیر بیان کی گئی ہے اور دوسرا اس کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اگر مشرکین تمھارے چیلنج کو قبول کر کے مقابلہ نہ کرسکیں تو پھر ان سے کہہ دو کہ جب تم مقابلے کے میدان میں اترنے کے قابل نہیں ہو تو پھر مانتے کیوں نہیں ہو، تمھارے پاس کون سی دلیل رہ جاتی ہے کہ یہ قرآن اللہ رب العالمین کی طرف سے نہیں ہے اور محمد ﷺ اسے خود اپنی طرف سے بنا کر پیش کر رہے ہیں؟ تمھیں چاہیے کہ اس بات کو تسلیم کرو کہ یہ خالقِ کائنات کی طرف سے ہے

لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا

اس میں ان کے لیے کوئی کمی نہیں کی جاتی ﴿15﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں جہنم کی آگ کے سوا کچھ نہیں اور جو

دنیا کمانا، عیش وعشرت اور اقتدار کا حصول ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو دین سمجھ آتا ہی نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنی آخرت بہتر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کو امتحان کی جگہ نہیں سمجھتے، اس لیے اللہ تعالیٰ بھی انھیں آخرت سے محروم کر دیتے ہیں اور انھیں صرف دنیا ہی کا فائدہ دیتے ہیں۔ آخرت ہمیشہ وہی طلب کرے گا جس کا عقیدہ حساب وکتاب اور جنت دوزخ کو ماننے والا ہو گا۔ ایسا شخص ہی دنیا کے مقابلے میں اخروی زندگی کو ترجیح دے گا اور اسے ہی سیدھی راہ سمجھ آئے گی۔

نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا . . . : ''ہم ایسے لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں دے دیتے ہیں۔'' یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں شہرتیں حاصل کرنا اور اپنے آپ کو اونچا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہسپتال بناتے اور دوسرے فلاح و بہبود کے کام بھی کرتے ہیں تو ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو متاثر کیا جائے اور اپنی شہرت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اگر دنیا میں مال خرچ کرتے اور محنتیں کرتے ہیں تو ہم انھیں اس کا بدلہ یہیں پر دے دیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کافر کو اس کی اچھائیوں کا بدلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی ایسی نیکی نہ ہو گی جس پر اس کو اجر دیا جائے گا۔ [صحیح مسلم، کتاب صفة القیامة، باب جزاء المؤمن بحسناته ...: ۲۸۰۸] فرمایا: ﴿وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ﴾ ''اور اس میں ان کے لیے کوئی کمی نہیں کی جاتی۔'' اللہ رب العالمین کے ہاں عدل وانصاف ہے۔ وہ کسی کی محنت نہیں رکھتا۔ وہ ہر مزدور کی مزدوری دیتا ہے۔ اگر کوئی دنیا کے لیے سب کچھ کرتا ہے تو رب تعالیٰ دنیا میں ہی اسے بدلہ دے کر اپنے عدل کو پورا کر دیتے ہیں۔ جو لوگ عزت، شہرت، دولت اور حکومت چاہتے ہیں انھیں یہ چیزیں مل جاتی ہیں لیکن اس کے لیے بھی خالقِ کائنات کا نظام یہ ہے کہ وہ عطا اپنی مرضی سے کرتا ہے، یعنی جس کو جب اور جتنا چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل (۱۸) میں اور بعض دوسرے مقامات پر اس کی تفصیل موجود ہے اور یہ بات اصول کے طور پر بیان ہوئی ہے۔ ہم اپنے معاشروں میں بھی دیکھتے ہیں کہ بعض ہندوؤں اور سکھوں نے بڑے بڑے ہسپتال اور لائبریریاں بنائی ہیں، لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور فلاح و بہبود کے کام کرنے والے ان لوگوں کو اچھے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یعنی شہرت کی صورت میں انھیں دنیا میں ہی ان کے اعمال کا بدلہ دے دیا جاتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ : ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں جہنم کی آگ کے سوا کچھ نہیں۔'' مطلب یہ کہ جو لوگ دنیا میں کفر کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اللہ رب العزت کے بیان کردہ آخرت کے عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتے، آخرت میں ان لوگوں کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ کے دین اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت

فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

انھوں نے اس (دنیا) میں کیا سب ضائع ہوگیا اور جو وہ عمل کرتے رہے سب بے کار گیا ﴿۱۶﴾

کا منکر جو شخص بھی دنیا سے جائے گا چاہے وہ یہودی، عیسائی ہو یا ہندو، اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے۔ دنیا میں بعض قوموں نے اپنے ملکوں کو فلاحی ریاستیں بنایا اور مختلف نظام و قوانین وضع کر کے عوام کو فائدے پہنچائے ہیں تو اس کا بدلہ بھی اللہ تعالیٰ انھیں دنیا میں ہی دے دے گا۔

وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا: دنیا میں انھوں نے جو کچھ بھی کیا وہ یہیں ختم ہو جاتا ہے، "حَبِطَ" کا مطلب ہوتا ہے ضائع ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ نے عقیدے کی بات یہ سمجھائی ہے کہ کفر و انکار کرنے والوں کے دنیا میں کیے گئے سب اعمال باطل ہو جائیں گے۔ عمل کی قبولیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العالمین آخرت میں اس کا بدلہ دیں گے۔ ایمان والوں کو دنیا میں بھی بدلہ ملتا ہے لیکن ان کے سامنے آخرت ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا۔ دنیا میں اگر انھیں کچھ نہ بھی ملے تو وہ محنت کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، آخرت میں ان کا سب کچھ محفوظ ہوتا ہے۔ ان کی نیکیوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا اجر دس سے ستر اور سات سو گنا یا اس سے بھی بڑھا کر عطا کرے گا لیکن جو لوگ آخرت نہیں چاہتے ان کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں تو انھیں عزت، شہرت اور حکومت مل سکتی ہے لیکن آخرت میں ان کی محنتوں کا کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ اللہ کے ہاں محنت صرف مسلمانوں کی قبول ہوتی ہے، کافر کی محنت کی کوئی حیثیت ہے تو وہ صرف دنیا تک محدود ہوتی ہے۔

وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ: "اور جو وہ عمل کرتے رہے سب بے کار گیا۔" وہ آخرت میں جائیں گے تو انھیں یہ چیزیں جھوٹ نظر آئیں گی۔ دنیا میں کیے گئے ان کے سب اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ جتنے باطل نظریات اختیار کیے گئے قیامت کے دن سب واضح ہو جائیں گے۔ مفسرین نے اس میں منافق اور دنیادار لوگوں کو بھی شامل کیا ہے، یعنی کافروں کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی جو ایسا نفاق اختیار کریں جس سے مسلم معاشروں کو نقصان پہنچتا ہو تو ان کا ٹھکانا بھی یہی ہے۔ بعض اعمال ایسے ہیں کہ جو دنیا میں ہی بندے کی نیکیوں کو ضائع کر دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک شرک اور عقیدے کا نفاق ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص اسلام قبول کرنے کے بعد شرک کرتا ہے تو اس قبیح جرم کی وجہ سے اس کی نیکیاں دنیا میں ہی ضائع ہو جاتی ہیں۔ نفاق بھی ایسی چیز ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کے اعمال صالحہ برباد ہو جاتے ہیں۔ قیامت کے دن ضائع ہونے والے اعمال کی کوئی قیمت نہیں لگے گی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! ابن جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا، مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا ((فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ ؟)) کیا اس کے یہ اعمال اسے نفع دیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((لَا يَنْفَعُهُ ، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا : رَبِّ اغْفِرْلِي خَطِيْئَتِي يَوْمَ الدِّيْنِ)) [صحيح

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى

کیا پس وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اور اس کی جانب سے ایک گواہ اس کی تائید کر رہا ہو اور وہی

مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی الکفر ...: ۲۱٤] ''وہ اسے فائدہ نہیں پہنچائیں گے، (کیونکہ) اس نے کسی ایک دن (بھی) یہ نہیں کہا تھا: میرے رب! حساب و کتاب کے دن میری خطائیں معاف فرمانا۔''

اس سلسلہ میں وہ حدیث بھی سامنے رکھنی چاہیے جس میں نبی ﷺ نے تین لوگوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک شہید، ایک قاریِ قرآن اور ایک دولت مند شخص ہے جو دنیا میں صدقہ وخیرات کرنے والا ہے، لیکن انھوں نے یہ سارا کچھ دنیا میں شہرت کے لیے کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ شہید سے پوچھے گا تو وہ کہے گا: اے اللہ! میں نے تیری راہ میں اپنی جان قربان کر دی، اللہ کہے گا تو جھوٹ بولتا ہے۔ ہماری نظر تیرے دل پر تھی تو چاہتا تھا کہ دنیا میں تیری بہادری کے چرچے ہوں اور لوگ تجھے بہادر کہیں، تو آخرت چاہتا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح قاریِ قرآن اور دولت مند سخی شخص بھی کہے گا کہ میں نے یہ نیک اعمال تیری رضا کے لیے کیے تھے، لیکن رب تعالیٰ کہیں گے کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو، تمھاری نیت یہ نہیں تھی، تم آخرت چاہتے ہی نہیں تھے۔ [دیکھیے صحیح مسلم، کتاب الإمارۃ، باب من قاتل للریاء والسمعۃ ...: ۱۹۰۵] نفاق عقیدے کا مرض ہے اور اس مرض کی وجہ سے انسان بہت بڑی غلطیاں کر بیٹھتا ہے، حتیٰ کہ ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ جن سے نیک اعمال باقی نہیں رہتے اور ضائع ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو نفاق، ریاکاری اور دوسری ایسی سب بیماریوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

آیت 17 ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ...﴾: اللہ تعالیٰ نے یہاں اس بات کا موازنہ کیا ہے کہ ماننے والے اور نہ ماننے والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اس کی تفصیل میں یہ بات بیان ہو رہی ہے کہ ایک شخص رب تعالیٰ کی طرف سے آنے والی وحی پر ایمان لا کر زندگی بسر کرتا ہے، اس کی پوری زندگی ہدایت اور دلیل پر ہے اور وہ اپنے معاملات کو اسی چیز کی روشنی میں چلا رہا ہے۔ اس شخص سے مراد محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ہیں جو آپ ﷺ پر ایمان لائے اور جنھوں نے آپ کے راستے کو اختیار کیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ ایک گواہ ان کے پیچھے آ کر ان کی تائید کرتا ہے۔ ''وَيَتْلُوْهُ'' کا معنی ہے پیچھے آنا اور ساتھ چلنا۔ یعنی رب تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے آنے والا قرآن خود نبی ﷺ کی دعوت کی حقانیت کا بہت بڑا شاہد ہے۔ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی آسمانی کتاب تورات میں بھی محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارے میں بشارتیں آئی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کیا نبی ﷺ اور ان کے پیروکار جو رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر ہیں، ان لوگوں کی طرح ہو سکتے ہیں جو خالقِ کائنات کی طرف سے نہ تو کسی دلیل پر ہیں، نہ ہی ان کا کوئی شاہد ہے اور نہ ہی کوئی پہلی آسمانی کتاب ان کی تائید کرنے والی ہے۔ اس آیت میں ''اِمَامًا'' کا

اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ
مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

(بات) اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب میں بھی موجود ہو، جو رہنما اور رحمت تھی، یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں (کیا پھر بھی اس میں کوئی شک رہ جاتا ہے) اور مختلف گروہوں میں سے جو اس کا انکار کر دے تو اس سے جہنم کی آگ کا وعدہ ہے، لہٰذا آپ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ رہنا، بے شک وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے اور لیکن

مطلب ہے کہ یہ کتاب رہنمائی کرنے والی ہے۔ اللہ رب العالمین کی طرف سے جو بھی کتابیں آئی ہیں وہ ہدایت اور رحمت ہیں اور ان میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ: جو قرآن کی گواہی کو تسلیم کرتے ہیں، محمد ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو درست سمجھتے ہیں اور جن کا عقیدہ و ایمان ان چیزوں پر ہے وہی ایمان لائیں گے۔ مشرکین میں سے لوگ اسی بنیاد پر ایمان لائے اور اگر کسی یہودی یا عیسائی نے بھی اسلام قبول کیا تو وہ اسی بنیاد پر مسلمان ہوا۔ یہ بنیاد اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے کہ جو کوئی دائرۂ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے اسے وحی کے ذریعے نازل ہونے والے قرآن اور محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو سچ ماننا پڑے گا۔ دین پر سچے یہی لوگ سمجھے جائیں گے اور ان کا ایمان ہی رب تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو گا۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ: ”اور مختلف گروہوں میں سے جو اس کا انکار کر دے تو اس سے جہنم کی آگ کا وعدہ ہے۔“ دنیا میں بہت ساری قومیں اور معاشرے ہیں جن میں سے کچھ مذہبی ہیں، مثلاً یہودیت، عیسائیت، ہندو دھرم، بودھ ازم اور زرتشت ازم کے ماننے والے گروہ ہیں۔ اسی طرح بعض ایسے سیکولر اور لادین قسم کے گروہ بھی ہیں جو رب تعالیٰ کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ یہ دنیا ایک حادثے کی پیداوار ہے۔ گویا دنیا میں انسانوں کی تقسیم عقائد کی بنیاد پر ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ عقیدۂ توحید کے منکر اور محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے والے چاہے یہود و نصاریٰ میں سے ہی کیوں نہ ہوں سب کافر ہیں۔ پہلے نبیوں اور رسولوں پر ایمان کے دعوے رکھنے والے بھی اگر محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں تو ان کے کافر ہونے میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے۔ حدیث میں یہ معیار مقرر کر دیا گیا ہے کہ دنیا میں مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والے محمد ﷺ ہیں یعنی جو آپ پر صحیح ایمان لائے گا وہ مسلمان ہو گا اور جو آپ پر ایمان نہیں لائے گا وہ کافر ہو گا۔ [دیکھیے صحیح البخاري، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰہ ﷺ: ۷۲۸۱]

یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ محمد ﷺ پر ایمان نہیں لاتے اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنی کتابوں کو بھی تسلیم نہیں

النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ﴿۱۷﴾

کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی طرف سے ایمان لانے کے دعووں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ موجودہ دور میں مسلمان وہ ہے جو محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو دل سے تسلیم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی خود کو یہودی یا عیسائی کہلواتے ہوئے اپنے آپ کو دوسرے نبیوں اور شریعتوں کی طرف منسوب کرتا ہے تو پھر بھی اسے کافر ہی سمجھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت اور محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے والے سبھی گروہوں سے جہنم کا وعدہ کیا ہے۔ یہ لوگ کسی صورت رب تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ سب کافروں کو بالآخر جہنم کی آگ میں جلنا پڑے گا۔ اس آگ سے وہی بچے گا جو محمد ﷺ پر ایمان لائے گا اور آپ ﷺ کی شریعت پر عمل کرے گا۔ قرآن مجید کی یہ آیت نص ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت کا منکر کافر ہے اور تمام کافر دوزخ میں جانے والے ہیں۔ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ((وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ! لَا يَسْمَعُ بِيْ أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُوْدِيٌّ، وَلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ)) [صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ...: ۱۵۳] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس امت (امتِ دعوت) کا کوئی ایک بھی فرد، یہودی ہو یا عیسائی، میرے متعلق سن لے، پھر وہ مر جائے اور اُس دین پر ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا تو وہ اہلِ جہنم ہی سے ہو گا۔''

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ: ''لہٰذا آپ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ رہنا۔'' نبی ﷺ کو مخاطب کر کے امتِ محمد ﷺ کے سب لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے۔ محمد ﷺ کو تو کوئی شک نہیں تھا، درحقیقت یہ ایک اسلوبِ بیان ہے جس سے بات کی اہمیت واضح کرنا مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی تربیت کر رہے ہیں کہ تم نے کسی شک میں مبتلا نہیں ہونا۔ یہودی، عیسائی اور مشرکینِ مکہ سب شکوک و شبہات کی وجہ سے برباد ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں بندوں کے ایمان کو بہت زیادہ نقصان پہنچانے والی ہیں۔ مسلمانوں کے دل و دماغ میں شکوک و شبہات، سوالات اور اعتراضات نہیں ہونے چاہییں۔ جو بات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ہو اسے من و عن اسی طرح تسلیم کر کے زندگیاں بسر کرنی چاہییں۔

اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ . . . : ''بے شک وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔'' تمھیں اس دین اور شریعت پر یقین رکھتے ہوئے دعوت کا کام کرنا اور اپنی آخرت کو سنوارنا ہے۔ ﴿ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ لیکن اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور ان کا رویہ درست نہیں رہتا، البتہ جو لوگ ماننے والے اور حق پر قائم رہنے والے ہیں

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۸﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے؟ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور گواہ گواہی دیں گے کہ یہی ہیں وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔ خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ⑱

ان کی تعداد اگرچہ تھوڑی ہو وہ پھر بھی اس پر ڈٹ جاتے ہیں۔ تعداد کم ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس حق نہیں ہے اور نہ ہی حق کے لیے اکثریت معیار ہے۔ ساری قوم ابراہیم علیہ السلام کی مخالف تھی اور وہ تنہا حق پر تھے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ حق کے لیے معیار تعداد نہیں بلکہ آسمانوں سے آنے والا دین ہے۔

آیت 18 ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا: دنیا میں بہت سارے لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے اور اس ذات باری تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے رہے۔ ان کا دعویٰ ہوتا تھا کہ یہ باتیں خالقِ کائنات کی طرف سے ہیں۔ ایسے لوگ پہلے بھی آئے اور دینِ اسلام آجانے کے بعد بھی آتے رہے۔ جھوٹی نبوتوں کے دعوے کرنے والوں کی طرف سے یہی کہا گیا کہ ان پر وحی آرہی ہے۔ جھوٹی نبوت کے دعوے دار قادیانی اور اس قسم کے دوسرے لوگ بھی اسی ضمن میں آجاتے ہیں۔ ہمارے معاشروں میں بعض نام نہاد دانش ور بھی ایسے ہیں کہ جو اپنی طرف سے نظریات گھڑ کر اسے دین ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض متعصب فرقہ پرست بھی اپنے مذہب کی حمایت میں جھوٹ بولنے میں شرم محسوس نہیں کرتے۔ یہ بھی اللہ پر جھوٹ باندھنا اور دنیا کو دھوکا دینا ہے۔ اللہ کے نزدیک سچا وہ ہے جو آسمانوں سے نازل ہونے والی وحی کو بالکل اسی طرح تسلیم کرتا ہے جس طرح اسے نازل کیا گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ . . . : یہ وہ لوگ ہیں جنھیں قیامت کے دن ان کے رب کے سامنے پیش کیا جائے گا اور جب وہ حاضر ہو جائیں گے تو "يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ" وہ فرشتے جو ان کے کندھوں پر بیٹھ کر لکھنے والے تھے وہ سارے گواہ بن کر پیش ہو جائیں گے۔ اسی طرح نبی اپنی قوموں کی گواہی دیں گے کہ ہم نے ان کے سامنے حق واضح کر دیا تھا۔ [دیکھیے البقرۃ: ۱۴۳] اسی طرح مجرموں کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ [النور: ۲۴۔ یٰس: ۶۵] اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ جب یہ سارے گواہ پیش ہوں گے تو کہیں گے: ﴿هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ﴾ یہ ہیں وہ جھوٹے لوگ جو اپنی طرف سے دین گھڑتے اور شریعتیں بناتے تھے۔ یہ لوگوں کو دھوکا دیتے اور فرقے بنا کر اپنی دکان داریاں چمکاتے تھے۔ اپنی طرف سے دین گھڑ کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دینا بہت بڑا ظلم ہے۔ یہ انسان دنیا میں سب سے بڑا ظالم ہے۔ وہ قتل بھی کرتا ہے اور دوسرے کبیرہ گناہوں کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔ ہر جرم

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور ٹیڑھا چلنا چاہتے ہیں اور وہ آخرت ہی کا انکار کرنے والے ہیں ﴿۱۹﴾

اور گناہ ظلم ہے لیکن سب سے بڑے مجرم وہ ہیں جو دین میں غلو اور زیادتی کر کے لوگوں کو اپنے پیچھے لگاتے ہیں اور اصل دین کو پردوں میں چھپا دیتے ہیں۔ یہ سب جھوٹے لوگ ہیں۔ اسی غلو کی وجہ سے تباہی ہوتی ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: ((إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّيْنِ)) [سنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب قدر حصى الرمي: ۳۰۲۹] ''غلو سے بچو، تم سے پہلی امتیں دین میں غلو کی وجہ سے تباہ ہوئیں۔''

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ: ''خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔'' دنیا میں تو دھوکا دہی کی بنیاد پر ان کے نظریات پھیل سکتے اور لوگ ان کی طرف سے گھڑی ہوئی باتوں کو تسلیم کر کے ان کے پیچھے چل سکتے ہیں لیکن آخرت میں ان کے لیے رب تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور جہنم کی آگ ہی ہو گی۔

آیت 19 ﴿الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . . .﴾: اس آیت میں ان لوگوں کی بات ہو رہی ہے جو لوگوں کو اللہ کے دین اور سیدھی راہ سے روکنے کے لیے کجی اور عیب تلاش کرتے ہیں۔ مکہ والے اپنے آپ کو بڑے دین دار سمجھتے تھے۔ وہ اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر ان کی پوجا کرتے، لیکن کہتے یہ تھے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ قومیں اپنے نظریات پر بڑی پختہ ہوتی ہیں اور ان نظریات کو درست ثابت کرنے کے لیے دلائل پیش کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ ہندوؤں کو دیکھ لیں، ان کے ہاں بت پرستی کے بہت عجیب و غریب سلسلے ہیں اور ان کا مقصد ہی لوگوں کو اسلام کی راہ سے روکنا اور غلط دین سے وابستہ کرنا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ﴿وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ اور جو کوئی اسلام اور قرآن کو حق ماننے کی بجائے اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، تاویلیں کر کے اصل باتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور ٹیڑھا چلتے ہوئے غلط مسائل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی ساری کاوشیں اس مقصد کے لیے ہوتی ہیں کہ جو ہم کہہ رہے ہیں اسے تسلیم کیا جائے۔ مسلمان ملکوں میں مستشرقین نے کثرت سے یہ کردار ادا کیا ہے۔ ایسے ہی بعض نام نہاد دانش ور بھی ایسے ہیں کہ جو اللہ رب العالمین کی بغاوتوں پر مبنی سیاسی، معاشی و سماجی ڈھانچے پیش کرتے ہیں اور نئے نئے نظام وضع کر کے لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔

وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ: یہ سارے لوگ وہ ہوتے ہیں جن کا آخرت پر ایمان نہیں ہے۔ اللہ کے دین میں رکاوٹ صرف وہی لوگ بن سکتے ہیں جنھیں روزِ قیامت حساب کتاب کی فکر نہ ہو۔ عقیدۂ آخرت کو دل سے تسلیم کرنے والے کبھی اس قبیح جرم اور بغاوتوں کے مرتکب نہیں ہوتے۔

وقف لازم

أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾

یہ لوگ زمین میں (اللہ کو کسی طرح بھی) عاجز کرنے والے نہیں ہیں اور اللہ کے سوا کوئی ان کا مددگار نہیں ہوگا۔ انھیں دگنا عذاب دیا جائے گا۔ وہ نہ سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ ہی غور کیا کرتے تھے ﴿20﴾

آیت 20 ﴿أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ . . . : دینِ اسلام کے مقابلے میں بغاوتوں کے نظام بنا کر وہ جو کچھ بھی کر لیں اللہ رب العالمین کو عاجز نہیں کر سکتے۔ یہ دنیا عنقریب ختم ہو جائے گی اور رب تعالیٰ ان سب کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کر لیں گے۔ یہ خالقِ کائنات کی گرفت سے نکل کر کہیں بھی بھاگ نہیں سکتے۔ اس نے ان سب کو پکڑ کر حساب لینا ہے۔ دنیا میں باطل نظریات پر چل کر وہ بہت بڑے دھوکے میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید انھوں نے ایسے نظام بنا لیے ہیں کہ اسلام اب ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حقیقت ہے کہ ان کی یہ سوچ درست نہیں ہے۔ ان کے پاس کسی قسم کی طاقت و قوت نہیں ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی پکڑ سے بچ سکیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی پکڑ آئے گی تو کوئی ان کا مددگار نہیں ہوگا۔ ان کا ساتھ نبھانے والے، ان کے نظریات قبول کر کے فرقے پروان چڑھانے والے اور ملکوں کی حکومتیں و ڈھانچے ان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔

يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ : ''انھیں دگنا عذاب دیا جائے گا۔'' اس کا سبب یہ ہے کہ ایک تو وہ خود غلط تھے اور دوسرا باطل نظریات گھڑ کر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ ان کی غلطیوں، بغاوتوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے انھیں دگنا عذاب ہوگا۔ اللہ کے بالمقابل نظام وضع کرنے، شریعت سازی اور اپنے علوم و فنون کی دھاک بٹھانے کا کام بہت ہوتا ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا جاتا ہے اور بات کی جاتی ہے۔ دنیا میں تو رب تعالیٰ کی طرف سے مہلت مل جاتی ہے لیکن آخرت میں اس ذات باری تعالیٰ کی طرف سے سخت سزا دی جائے گی۔

مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ : وہ غلط راہ پر چل کر سماعت سے ہی محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ کے دین کو سننا، سمجھنا اور اس کے متعلق باتیں کرنا انھیں پسند نہیں ہے۔ دنیا کے کھیل تماشے ان کے دلوں میں اس قدر گھر کر گئے ہیں کہ انھیں قرآن سنایا جائے تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ وہ اس کی طرف کان نہیں لگاتے۔ انھیں باطل بہت اچھا لگتا ہے۔ ان کے سامنے نئے نئے فلسفے ایجاد کر کے پیش کرو تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے اندر سے حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو گئی ہے۔ باطل نظریات پر اپنی زندگیاں استوار کرنے سے ان کا رویہ ہی ایسا بن جاتا ہے کہ وہ دین کی بات سننا گوارا نہیں کرتے۔ آج کل یہ چیزیں ہم اپنے معاشروں میں بھی کثرت سے دیکھ رہے ہیں کہ اسلام اور قرآن کی دعوت پیش کرو تو کوئی توجہ نہیں دیتا جبکہ فلموں و ڈراموں کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں پوری

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈال دیا اور غائب ہو گیا ان سے وہ سب کچھ جو وہ جھوٹ گھڑتے تھے ﴿21﴾ کوئی شک نہیں کہ وہ آخرت میں بڑا خسارہ پانے والے ہیں ﴿22﴾

طرح موجود ہے۔ میڈیا کے ذریعے خاص طور پر بہت زیادہ گمراہیاں پھیلائی جارہی ہیں۔ اس سے لوگوں کی نظروں میں دین کی اہمیت بہت کم ہو کر رہ گئی ہے۔

وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ: اور وہ سیدھی راہ کی طرف دیکھنا پسند ہی نہیں کرتے۔ قرآن کا صحیح معنوں میں مطالعہ اور ان کی طرف سے اس کے لیے وقت نکالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کی ساری توجہ فلسفوں، ڈراموں اور باطل نظریات پر ہوتی ہے۔ حق کی دعوت ان کے لیے اتنی غیر اہم ہو گئی ہے کہ وہ اس میں بالکل بھی دلچسپی نہیں لیتے۔ بندے کی یہ حالت اس وقت ہوتی ہے جب غلط راہ پر چلنا اس کی عادت بن جاتی ہے۔ اس کیفیت میں مبتلا ہونے سے بچنا بہت ضروری ہے۔

آیت 21 أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ . . . : یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے باطل کی راہ اختیار کر کے اپنی جانوں کو خسارے میں مبتلا کر لیا۔ دنیا میں انھیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا لیکن آخرت میں جب سب کچھ غائب ہو جائے گا تو پھر انھیں ساری حقیقت معلوم ہو گی۔ دنیا میں جن علوم و فنون اور باطل نظریات کو وہ بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہی حق ہے، قیامت کے دن ان میں سے کچھ بھی انھیں دکھائی نہیں دے گا۔ اپنی طرف سے گھڑے گئے سب نظریات ختم ہو جائیں گے۔ آخرت میں صرف یہ چیز دیکھی جائے گی کہ رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے حق پر کون قائم رہا۔ مسلمان کے دل میں حق اور باطل کا اگر دنیا میں نکھار ہو تو یہ ایمان ہے۔ آخرت میں تو سچ اور جھوٹ، حق اور باطل صاف واضح ہو جائیں گے لیکن اس وقت ماننے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ دنیا میں بہت سارے لوگ اس دھوکے میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہم چونکہ فلاں بزرگ اور فلاں شخصیت سے وابستہ ہو گئے ہیں اس لیے آخرت میں ہمیں یہ رب تعالیٰ کی پکڑ سے بچا لیں گے لیکن اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ اس وقت جب سب حساب کتاب کی مشکل صورتِ حال سے دوچار ہوں گے یہ لوگ ہاتھ ملتے رہ جائیں گے کہ ہم تو سراسر دھوکے میں رہے۔ حقیقت ہے کہ دنیا میں جو کوئی اس دھوکے سے بچ گیا اس نے اپنے آپ کو خسارے سے بچا لیا اور جو کوئی دھوکے میں مبتلا رہا اس کا رب تعالیٰ کی پکڑ سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

آیت 22 لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ: اصل خسارہ آخرت کا ہے۔ اس بات پر ہمارا پختہ یقین ہونا

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخۡبَتُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ ۙ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الۡفَرِیۡقَیۡنِ کَالۡاَعۡمٰی وَ الۡاَصَمِّ وَ الۡبَصِیۡرِ وَ السَّمِیۡعِ ؕ ہَلۡ یَسۡتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ ع ۲ ۱۲

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور اپنے رب کے سامنے گڑگڑاتے رہے، یہی جنتی لوگ ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿23﴾ دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے کہ ایک اندھا اور بہرہ ہو اور (دوسرا) دیکھنے اور سننے والا ہو۔ کیا یہ دونوں مثال میں ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ﴿24﴾

چاہیے کہ دنیا میں نفع بھی عارضی ہے اور خسارہ بھی عارضی ہے۔ آج اگر کسی کے پاس کوئی چیز نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کل اسے مل جائے لیکن جس کا آخرت میں نقصان ہو گیا سمجھ لیں اس کا سب کچھ برباد ہو گیا۔ دنیا میں خسارے سے بچنے کے لیے آخرت کا خسارہ قبول کر لینا عقیدے کی خرابی کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ کا قرآن اس چیز کی اصلاح کرتا ہے۔

آیت 23 ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ . . .﴾: ایمان اور عمل صالح سے محروم رہ کر جو کوئی بھی دنیا سے جائے گا وہ آخرت میں خسارہ ہی پائے گا۔ البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے، جنھوں نے نیک اعمال کیے اور "اَخۡبَتُوۡۤا اِلٰی رَبِّہِمۡ" اللہ کا ہر حکم مان کر عاجز، فرماں بردار اور مطیع بن کر زندگی بسر کی "اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ" یہی وہ لوگ ہوں گے جو خسارے یعنی دوزخ سے بچیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنت میں رہیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے کامیاب قرار دیا ہے۔

آیت 24 ﴿مَثَلُ الۡفَرِیۡقَیۡنِ کَالۡاَعۡمٰی . . .﴾: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دو قسم کے گروہ ہیں: ایک اندھے اور بہرے ہیں کہ جو اللہ کی شریعت کو مانتے ہیں اور نہ سنتے اور سمجھتے ہیں۔ ان کی آنکھیں دنیا کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ دینِ حق اور قرآن سے انھوں نے نظریں پھیر لی ہیں اور اپنے کان بند کر رکھے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو "الۡبَصِیۡرِ وَ السَّمِیۡعِ" ہے، یعنی وہ اللہ کی نشانیوں کو دیکھتا ہے اور ہر وقت اس انتظار میں رہتا ہے کہ اللہ رب العالمین کا کون سا حکم آیا ہے جسے غور سے سن کر اور پڑھ کر اس پر عمل کیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان یہی تھی کہ وہ رب تعالیٰ کا حکم آجانے پر فوراً اس پر عمل کرتے تھے۔ ان کے ہاں انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ہَلۡ یَسۡتَوِیٰنِ مَثَلًا﴾ قرآن و حدیث پر عمل کرنے اور اس سے نظریں چرا کر آنکھیں بند کرنے والے یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہو سکتے۔ ان کا نظام، راستہ اور سوچ ہی بالکل الگ ہے۔ جو لوگ کتاب و سنت کا انکار کرنے اور اسے نہ سمجھنے والے ہیں خالقِ کائنات کے نزدیک وہ اندھے اور بہرے ہیں۔ اگرچہ ان کی آنکھیں اور کان ہیں اور وہ بڑے غور سے دیکھتے ہیں لیکن انھیں دنیا تو نظر

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۫ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۲۵ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا (انھوں نے کہا) بے شک میں تمھارے لیے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں ۲۵ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک میں تمھارے

آتی ہے، دین کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں ہوتی۔

اللہ رب العالمین نے اپنے بندوں کو کان اس لیے نہیں دیے کہ وہ دنیا میں نافرمانی کی باتیں سنیں۔ انسانوں کو پیدا کرنے والی ذات اللہ کی ہے اور ساری صلاحیتیں اسی کی عطا کردہ ہیں، اس کے باوجود جو کوئی رب تعالیٰ کی بات کو غور سے نہیں سنتا اور سمجھتا وہ سیدھی راہ پر نہیں ہے۔ دین حق پر عمل کرنے اور اس کا انکار کرنے والے جب دنیا میں برابر نہیں ہیں تو آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ انھیں برابر نہیں رکھے گا۔ ماننے والوں کو بہت زیادہ اجر سے نوازا جائے گا اور انکار کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی۔ کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا اس کا نکھار دنیا میں ہی ہو جاتا ہے۔ انسان اندھا اور بہرہ دنیا میں ہی ہو جاتا ہے لیکن اس کا نتیجہ آخرت میں ملے گا۔ فرمایا: ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ''کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' اللہ تعالیٰ نے مثالیں دے کر اور دلائل سے ہر چیز واضح کر کے ایک ایک بات سمجھائی ہے، اس کے بعد بھی اگر کوئی دین کی دعوت پر غور و فکر نہیں کرتا تو یقیناً وہ بہت محروم شخص ہے۔ اللہ رب العالمین سے لازمی طور پر یہ دعا کرتے رہنا چاہیے کہ وہ اس محرومی سے ہمیشہ بچا کر رکھے۔ (آمین)